© rasailojaraid.com

تعلیم و درس یا ریسرچ کی نگرانی میں حصہ لینا تھا، تین صاحب ریسرچ ایسوشیئٹ تھے جن میں دو مسلمان، ایک پاکستانی اور دوسرے ترک تھے اور ایک مسیحی جو ہولینڈ کے رہنے والے تھے، اس قسم کے ریسرچ ایسوشیئٹ اصحاب کو جو تنخواہ یا اسکالرشپ ملتا ہے وہ لکچرر کے گریڈ کا ہوتا ہے پھر طلباء اور طالبات جو یہاں تعلیم پاتے ہیں ان میں اکثریت اسکالرشپ پانے والوں کی ہوتی ہے، یہ اسکالرشپ عموماً سو ڈالر سے لے کر دو سو ڈالر ماہانہ تک کا ہوتا ہے۔ ریسرچ یعنی پی، ایچ ڈی میں جو طلبا یا طالبات داخلہ لیتے ہیں ان کو عام حالات میں تین برس گذارنے ہوتے ہیں اور ان تین برسوں میں سے ایک برس کسی اسلامی ملک میں رہنا ہوتا ہے، اس لئے ان لوگوں کو ماہانہ اسکالرشپ کے علاوہ اسلامی ملک کے اس سفر اور اُس میں قیام کے مزید اخراجات بھی یونیورسٹی کی طرف سے دیئے جاتے ہیں، ظاہر ہے کناڈا امریکہ کی طرح غیر معمولی دولت و ثروت کا مالک نہیں ہے، لیکن یہ جو کچھ عرض کیا گیا اس سے اندازہ ہوگا کہ مغرب میں تعلیم کا کیا مرتبہ و مقام ہے؟ اس سلسلہ میں اُن کا اسٹنڈرڈ کتنا اونچا ہے؟ علاوہ ازیں اسلامی علوم و فنون کا وہاں کیا اہتمام و انتظام ہے ؎

"چشم بروئے او کشا باز بخویشتن نگر"

کولوکیم انسٹیٹیوٹ میں علاوہ سیمینار اور کلاسوں کے ہر ہفتہ، اغلباً بدھ کے روز، ورنہ کسی اور دن بھی اور بعض دفعہ ہفتہ میں ایک سے زیادہ مرتبہ بھی، مجلسِ مذاکرہ ہوتی تھی جسے کولوکیم کہتے تھے، شام کو چار بجے چاء کا گھنٹہ ہوتا تھا، جونہی گھنٹی بجی سب لوگ کامن روم میں جمع ہوگئے، کولوکیم اس گھنٹہ میں ہی چاء کے بعد منعقد ہوتی تھی، اس کی صورت یہ تھی کہ انسٹیٹیوٹ میں آئے دن نامور اشخاص و افراد کا ورود تو ہوتا رہتا ہی تھا، اگر ممکن ہوتا تو ان حضرات کو پہلے سے مجلسِ مذاکرہ میں کسی اسلامی موضوع پر تقریر کرنے یا پرچہ پڑھنے کے لئے آمادہ کرلیا جاتا ورنہ کسی مقامی پروفیسر کو تکلیف دی جاتی اور یا خود انسٹیٹیوٹ کے اساتذہ یا طلباء میں سے کسی سے تقریر کرنے کی فرمائش کی جاتی؛ طلباء میں سے باری باری کوئی طالب علم اس کا انچارج بنتا، یہ تقریر عموماً چالیس پینتالیس منٹ کی ہوتی تھی، تقریر یا مقالہ کے ختم ہونے پر بحث و مذاکرہ کا سلسلہ شروع ہوتا۔ جو موضوعِ تقریر کی مناسبت اور اس کی اہمیت کے مطابق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گھنٹہ آدھ گھنٹہ جاری رہتا تھا، اس مجلس میں جن بیرونی حضرات نے تقریریں کیں اُن میں سے چند نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) ۱۰ر اکتوبر ۶۲ء کو مشہور فرنچ مستشرق جک برکوئی (JACQUES BERQUE) انسٹیٹوٹ میں آئے، پروفیسر اسمتھ نے اُن کے اعزاز میں ایک شاندار لنچ دیا، میں بھی مدعو تھا، موصوف سالہا سال مصر میں (غالباً آثار قدیمہ کے محکمہ سے تعلق کی تقریب میں) رہ چکے ہیں، اس لئے عربی بڑی روانی اور قوت کے ساتھ بولتے ہیں، انگریزی اچھی خاصی جانتے ہیں، مگر فرانسیسیوں کا میں نے خاصہ دیکھا ہے کہ اگر انگریزی کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں تب تو خیر، ورنہ جہاں تک ممکن ہوگا اپنی مادری زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں نہ گفتگو کریں گے اور نہ تقریر! چنانچہ موصوف جو آج کل پیرس کے کالج آف فرانس میں عربی کے پروفیسر ہیں، وہ بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے، یہ دراصل مونٹریل یونیورسٹی کی دعوت پر "جدید عربی زبان و لٹریچر" پر چند لکچر دینے آئے تھے، پروفیسر اسمتھ نے ان کو اپنے ہاں بھی بلالیا، لنچ کے بعد غالباً تین بجے انھوں نے ہمارے ہاں عربی زبان میں تقریر کی، موضوع بھی عربی زبان ہی تھا، تقریر مختصر تھی مگر دلچسپ اور پُراز معلومات اس کے بعد ایک دن میں نے اُن کی جائے قیام پر ملاقات کی، بڑی تپاک سے ملے، اور مجھ سے وعدہ لیا کہ وطن کی واپسی پر میں پیرس گیا تو ان سے ضرور ملوں گا، پروفیسر جوزف شاخت عہدِ حاضر کے بڑے نامور مستشرق ہیں ان کی کتاب "اسلامی فقہ کے اصل ماخذ" بڑی معرکہ آرا کتاب ہے۔ اب تک اس کے کئی اڈیشن شائع ہو چکے ہیں، مارچ ۶۳ء میں پروفیسر اسمتھ کی دعوت پر یہ بھی انسٹیٹوٹ میں آئے اور وادی زاب پر ایک لکچر دیا۔[1] ڈاکٹر عزیز احمد جو ایک زمانہ میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن میں انگریزی زبان کے استاد تھے، اور اُردو کے مشہور افسانہ نویس اور ادیب کی حیثیت سے انڈوپاک کے ادبی حلقوں میں متعارف ہیں، آج کل ٹورنٹو یونیورسٹی میں اسلامیات کے پروفیسر ہیں، انسٹیٹوٹ کی دعوت پر

---

[1] اس لکچر کا اور پروفیسر شاخت سے گفتگو اور مذاکرۂ علمیہ کا تذکرہ میں ایک خط میں کرچکا ہوں جو انہیں دنوں برہان میں چھپ گیا تھا، یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی مارچ میں یہ بھی یہاں آئے اور "انڈو پاک میں اُردو کے مستقبل" پر ایک دلچسپ لکچر دیا۔ پروفیسر عزیز احمد سے غائبانہ میں پہلے سے واقف تھا اور یہ مجھ سے، یہ ملاقات عمر میں پہلی مرتبہ تھی، مگر ملے اس طرح کہ گویا برسوں کے ساتھی اور دوست ہیں، لنچ اور چاء میں بھی شرکت رہی، یہ "ہندوستان میں اسلامی تحریکات" پر ایک کتاب لکھ رہے تھے، اب غالباً مکمل ہو کر چھپ بھی گئی ہوگی، بُرہان اور میری کتابیں اُن کی نظر سے گذرتی رہی ہیں، اس موقع پر یہ بھی عرض کر دوں کہ جو بیرونی حضرات انسٹیٹوٹ میں آتے تھے، اُن سب کا لنچ یا ڈنر پروفیسر اسمتھ کی طرف سے ہوتا تھا اور وہ معزز مہمان کے ساتھ اسٹاف میں سے بھی حسب موقع تین چار اساتذہ کو اور کبھی پورے اسٹاف کو مدعو کرتے رہتے تھے، میرے ساتھ ان کے خصوصی تعلق کی ہی بات ہے کہ اگر انھوں نے دو شخصوں کو بھی مدعو کیا ہے تو مجھے ضرور کیا ہے، اور ایسا تو بسا اوقات ہوا ہے کہ انھوں نے صرف مجھ کو ہی تنہا لنچ پر بلا لیا ہے، لیکن یہ اُسی وقت ہوتا تھا جب کہ وہ کسی علمی مسئلہ پر یا انسٹیٹوٹ کے کسی معاملہ پر گفتگو کرنا چاہتے تھے، اسمتھ صاحب کی غیر موجودگی میں ان کے قائم مقام پروفیسر چارلس آڈم مہمان نوازی کا یہ فرض انجام دیتے تھے۔

ان حضرات کے علاوہ ایرانی سفارت خانہ کناڈا کے ایک افسر نے بھی ایک مرتبہ اس مجلسِ مذاکرہ میں حصہ لیا تھا، ان کے علاوہ مونٹریل اور مکگل یونیورسٹی کے بعض اساتذہ کو "مذہب اور ریاست" اور "سوویٹ روس میں مذہبی حالات" پر لکچر دینے کی زحمت دی گئی، خود انسٹیٹوٹ کے اسٹاف میں پروفیسر اسمتھ نے دو مقالے پڑھے۔ ڈاکٹر چارلس آڈم نے "امام غزالیؒ کے فلسفۂ اخلاق" پر مقالہ پڑھ کر سنایا، ڈاکٹر بارکر نے ممالکِ اسلامیہ میں گھوم پھر کر وہاں کی خاص خاص عمارتوں، مسجدوں اور مختلف مقامات کی جو فلم تیار کی تھی، اپنی تشریح کے ساتھ انھوں نے وہ فلم دکھائی، ایک انڈونیشی پروفیسر ڈاکٹر محمد راشدی[1] جبکہ اسی انسٹیٹوٹ سے متعلق ہونے سے قبل وہ انڈونیشیا کی طرف سے سعودی عرب میں سفیر تھے اپنی حکومت کے ایما سے حج کی ایک فلم تیار کی تھی، ایک دن اسی "مجلسِ مذاکرہ کے پروگرام کے

۱؎ ان کا تذکرہ بھی ایک خط مطبوعۂ برہان میں کر چکا ہوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ماتحت انھوں نے ہم لوگوں کی اس فلم سے تواضع کی، علاوہ ازیں اس مجلس میں ڈاکٹر الحسینی نے "مصر میں جدید ناول نگار" ڈاکٹر برکس نیازی (ترک) نے "ترکی اور سیکولرزم" ڈاکٹر صالح طوغ (ترک) نے "علمِ حدیث" اور میں نے "موجودہ زمانہ میں ایک اسلامی ریاست کی تشکیل" پر باری باری سے مقالات پڑھے، میرا یہ مقالہ کافی ہنگامہ خیز ثابت ہوا، اساتذہ اور طلباء کی طرف سے سوالات کی بڑی بھرمار ہوئی، مسٹر اوڈوم (ODOOM) ایک افریقی طالبِ علم تھا، ایک دن اُس نے اپنے ملک کے مسلمانوں کے حالات پر تقریر کی۔

اس انسٹیٹوٹ کو قائم ہوئے ابھی چودہ پندرہ برس ہوئے ہیں لیکن اس کو اس قلیل مدت میں ہی عالمگیر شہرت حاصل ہوگئی ہے، اس لئے عالمِ اسلام کی کسی بڑی شخصیت کا ادھر سے گذر ہوتا ہے تو طبعی طور پر اُسے اس ادارہ کو دیکھنے کی خواہش ہوتی ہے اور وہ از خود یا انسٹیٹوٹ کی دعوت پر یہاں آتا ہے، اس سلسلہ میں میرے زمانہ قیام میں جو حضرات یہاں آئے اور ان سے ملاقات وگفتگو کا موقع ملا اُن میں امریکہ میں شرقِ اردن کے سفیر، ڈاکٹر یوسف ہیکل، اور اٹاوہ (کناڈا کا دارالحکومت) میں عرب انفارمیشن افیسر خالد بعباع، پروفیسر اسمتھ کے بھائی جو کناڈا کی طرف سے روس میں سفیر ہیں، ایران کے امریکہ میں سفیر اور حکومتِ ملایا کے ایک تعلیمی افسر مسٹر تنک محمد محی الدین، خاص طور پر لائقِ ذکر ہیں۔

اوپر جو کچھ عرض کیا گیا ہے اُس سے آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ مغربی ممالک کی یونیورسٹیوں میں عموماً اور ہمارے انسٹیٹوٹ میں خصوصاً تعلیم کے مقاصد کی خاطر خواہ تحصیل وتکمیل کے لئے کلاس روم میں لکچر دے دینے کے علاوہ یہ بھی ضروری سمجھا جاتا ہے کہ مختلف مضامین پر سیمینار ہوں، اساتذہ اور طلباء میں سوشل تعلقات ہوں اور اس طرح دونوں کو ایک دوسرے سے قریب آنے اور ایک دوسرے کو سمجھنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع ملیں، پھر یونیورسٹی یا ادارہ کے باہر کی دنیا اور اُس کے ممتاز لوگوں سے بھی ان کے تعلقات ہوں، اس سے ذہن میں وسعت اور فکر میں بلندی پیدا ہوتی ہے، یہاں مجھے یاد آیا، مونٹریل سے جو اخبارات شائع ہوتے ہیں اُن میں سب سے زیادہ کثیر الاشاعت اور ہر دل عزیز روزنامہ "مونٹریل اسٹار" ہے، میں ۱۵ ر نومبر ۶۲ء کو اپنے سیمینار میں جو علم الکلام پر ہورہا تھا تقریر کر رہا تھا،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پروفیسر اسمتھ میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اتنے میں اچانک مذکورۂ بالا روزنامہ کا اسٹاف رپورٹر مع اپنے فوٹوگرافر کے پہنچ گیا (بعد میں معلوم ہوا کہ اسٹاف رپورٹر نے ایک دن پہلے باقاعدہ اسمتھ صاحب سے فون پر اجازت لے لی تھی) اُس نے کچھ دیر کھڑے ہو کر پہلے تو تقریر سنی پھر میری اجازت سے اُس نے مجھ سے کچھ سوالات کئے، میں نے جو جوابات دیئے وہ اس نے نوٹ کر لئے اور اس کے بعد ہمارے پورے سیمینار کا فوٹو لے کر واپس چلا گیا، دوسرے دن یعنی ۱۶ر نومبر کو یہ اخبار آیا تو دیکھا کہ اس کے صفحہ ۳ پر بہت نمایاں اور جلی طریقہ پر میرا اور سیمینار کا بڑے سائز پر فوٹو ہے اور اُس کے ساتھ رپورٹر کے سوالات کے جواب میں میں نے جو کچھ کہا تھا وہ ایک بیان کی صورت میں جلی ٹائپ کے دو کالموں میں شائع کر دیا گیا ہے، میں نے اس بیان میں کہا تھا کہ آج کل کا زمانہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی غیر معمولی ترقی کا زمانہ ہے۔ لیکن اس ترقی نے جو مذہب اور اخلاقیات کی تعلیم کے بغیر ہے، انسان کے دل کو امن و عافیت اور سکون و اطمینان سے محروم کر کے اسے خوف و ہراس اور اضطراب و پریشانی سے بھر دیا ہے۔ اس بنا پر ہماری یہ سائنسی ترقیات اور اُس کی وجہ سے حیرت انگیز ایجادات و اختراعات صرف اُسی وقت انسانی تہذیب و تمدن کے لئے مفید اور کارآمد ہو سکتی ہیں جب کہ یونیورسٹیوں میں مذہب اور اخلاق کی تعلیم کا بھی اعلیٰ سے اعلیٰ بندوبست ہو اور دنیا کے مختلف مذاہب کے علماء ایک دوسرے سے ملیں اور اُن میں باہم افہام و تفہیم کی راہ پیدا ہو۔

مونٹریل اسٹار نے فوٹو کے نیچے اور خبر کے اوپر جو سہ سطری عنوان قائم کیا تھا اُس میں تیسری سطر یہ تھی "ایک ہندوستانی مسلمان کی امنِ عالَم کے لئے تجویز" جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا، یہ اخبار سب سے زیادہ کثیر الاشاعت اور ہر دل عزیز اخبار ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس تاریخ کے پانچ چھ روز بعد تک یہ رہا کہ میں بس میں جا رہا ہوں، کسی دکان پر کوئی چیز خریدنے یا کسی رسٹوران میں کچھ کھانے پینے گیا ہوں، جہاں کہیں بھی گیا ہوں کسی مرد یا عورت نے دیکھتے ہی پہچان لیا ہے اور مونٹریل سٹار کی اُس اشاعت کے حوالہ سے ہندوستان، پنڈت نہرو یا امنِ عالم ان میں سے کسی موضوع پر گفتگو چھیڑ دی ہے، اس میں شک نہیں کہ مونٹریل اسٹار ایسے بلند پایہ اخبار میں میرے ایسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طالبِ علم کا فوٹو اور اس اہتمام سے اس کا بیان شائع کرنا ایک بڑا اعزاز ہے، لیکن قدرت نے میری طبیعت بالکل قلندرانہ بنائی ہے جس پر میں اُس کا بڑا شکر گذار ہوں، اس طرح کی چیزوں کی میرے نزدیک قطعاً کوئی اہمیت اور وقعت نہیں، مگر میں نے محسوس کیا کہ اسمتھ صاحب کو اس سے بڑی خوشی ہوئی اور انھوں نے اس فوٹو کی پندرہ بیس کاپیاں بنوا کر مقامی اور بیرونی احباب کو بھیجیں۔

مکگل یونیورسٹی کی مجلسِ مذاکرہ میں تقریر اس واقعہ کے چند روز بعد ہی یہ واقعہ پیش آیا کہ مکگل یونیورسٹی میں طلبا کی ایک انجمن انٹرنیشنل اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے نام سے قائم ہے' اس انجمن نے نومبر کے آخری ہفتہ میں ایک ہفتہ" ایشیا" منایا، اس سلسلہ میں ایشیا کے ایک ایک ملک کے لئے ایک دن مقرر تھا اور اُس دن اس ملک کا تہذیبی اور کلچرل پروگرام ہوتا تھا، اور ساتھ ہی اُس روز جو عام ڈنر ہوتا تھا اس میں اُس ملک کے ہی کھانے کھلائے جاتے تھے، چنانچہ ایک دن ہندوستان اور پاکستان کیلئے بھی تھا اور اُس روز ڈنر میں بریانی، شامی کباب، دہی بڑے اور شاہی ٹکڑوں سے مہمانوں کی تواضع کی گئی۔ اس ہفتہ کے پروگرام میں ایک روز یعنی ۲۹ر نومبر کو مغرب کے بعد ایک مجلسِ مباحثہ کا انتظام بھی کیا گیا تھا" عنوانِ بحث تھا" کمیونزم اور ایشیا" اس بحث میں حصہ لینے کے لئے پانچ آدمیوں کا پینل بنایا گیا جن میں ایک نام میرا بھی تھا، باقی چار حضرات کے نام یہ ہیں (۱) پروفیسر اسمتھ (۲) پروفیسر میخائیل بریشر (MICHAEL BREGHAR) ڈپارٹمنٹ آف پالٹیکل سائنس، (۳) ڈاکٹر جے، بے، مور، اسکول آف سوشل ورکس اور (۴) ڈاکٹر کیفٹز (KEYFITZ) ٹورنٹو یونیورسٹی، موضوع چونکہ دلچسپ اور ہنگامہ خیز تھا اس لئے یونیورسٹی کا ہال مغرب و مشرق کے طلباء اور طالبات سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، بحث کا آغاز پروفیسر میخائیل بریشر نے کیا، اُس کے بعد میری تقریر ہوئی جس میں میں نے کہا کہ کمیونزم ہمارے زمانہ کی نہایت عظیم الشان اور طاقتور تحریک ہے اور اُس نے انسانی افکار و خیالات میں عجیب و غریب انقلاب پیدا کیا ہے، لیکن جہاں تک ایشیا کا تعلق ہے اس تحریک کو اب تک جو کامیابی ہوئی وہ ہوئی، لیکن اب آئندہ اُس کے زیادہ کامیاب ہونے کی توقع نہیں ہے۔ اور اُس کی وجہیں دو ہیں، ایک یہ کہ کمیونزم ہمیشہ وہیں پھولتا پھلتا اور ترقی کرتا ہے، جہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

استعماریت ہو، اور اُس کے ہاتھوں لوگ جبر و ظلم اور اقتصادی لُوٹ کھسوٹ کا شکار رہوں، اور اب چونکہ ایشیا آزاد ہے اور وہاں قومی حکومتیں قائم ہیں جو عوام کا معیارِ زندگی اونچا کرنے اور ملک سے غربت کے دُور کرنے کے لئے جد و جہد کر رہی ہیں اس لئے اب عوام میں کمیونزم کے مقبول ہونے کے امکانات بہت کمزور ہو گئے ہیں، اس کے علاوہ دوسری وجہ یہ ہے کہ ایشیا کے جو ملک ابھی گذشتہ چند برسوں میں آزاد ہوئے ہیں وہ سب مذہبی ملک ہیں اور ان ملکوں کے عوام کو مذہب دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے، اور چونکہ کمیونزم کا پہلا حملہ مذہب پر ہی ہوتا ہے اس لئے ان ملکوں کے عوام اُس کو خوش آمدید نہیں کہہ سکتے، چین اور وِٹنام کا ذکر کرتے ہوئے میں نے کہا کہ ان ملکوں میں کمیونزم کا فروغ حکومتوں کی سازش اور حکمراں طبقہ کے حد سے زیادہ جبر و تشدد کا نتیجہ ہے۔ عوام کی صوابدید کو اس میں دخل نہیں ہے۔" یہ ایک عام ریمارک کرنے کے بعد میں نے مثال کے طور پر اپنے ملک ہندوستان کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ آزادی سے قبل اس ملک میں کمیونسٹ پارٹی کی پوزیشن کیا تھی اور اب کیا ہے، گذشتہ عام انتخابات میں اس پارٹی نے مرکز میں اور ریاستوں میں کتنی نشستیں حاصل کی ہیں، اس کے ساتھ ہی حکومتِ ہند نے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے جو تین پنج سالہ منصوبے بنائے ہیں میں نے اُن کا تذکرہ کیا۔

عجیب بات ہے میرے بعد جن حضرات نے تقریریں کیں اگرچہ ان کے دلائل مختلف تھے لیکن رائے انھوں نے بھی یہی ظاہر کی اور ہر مقرر نے اپنی تقریر میں ہندوستان کا خاص طور پر حوالہ دیا، جب ہم سب لوگ بول چکے تو اب جنابِ صدر کے کہنے پر حاضرین کی طرف سے سوالات کا سلسلہ شروع ہوا، ان میں زیادہ سوالات مجھ سے ہی کئے گئے، ایک خاتون تو کیرالا کا قصہ لے کر کھڑی ہو گئیں، اور انھوں نے پُر زور طریقہ پر کہا کہ اس ریاست میں کمیونسٹ گورنمنٹ آئینی طور پر قائم تھی لیکن کانگریس نے مسلم لیگ جیسی فرقہ پرست جماعت کے ساتھ توڑ جوڑ کر کے ریاست میں ہنگامے کرائے اور اس آئینی حکومت کو ختم کر کے دم لیا۔ میں نے جواب میں اُس وقت کیرالا کی جو پوزیشن تھی اور حکومتِ کیرالا کے تعلیمی بِل نے جو آفت مچائی تھی اُس پر روشنی ڈالی تو وہ خاتون پھر کچھ کہنے کے لئے دوبارہ کھڑی ہوئیں، مگر اس مرتبہ صدر نے ان کو روک دیا، غرض کہ دو ڈھائی گھنٹے کی یہ نشست بڑی دلچسپ اور لطف انگیز تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ برخاست ہوئی تو ایک وسیع اور آراستہ ہال میں ہم لوگوں کی کافی، چائے اور اس کے لوازم سے تواضع کی گئی، دوسرے دن خاص یونیورسٹی کے اخبار "مگگل ڈیلی" میں تو اس مباحثہ کی پوری کارروائی چار کالمی سرخیوں کے ساتھ درج تھی ہی، شہر کے مقامی اخبارات میں بھی اس کی روئداد شائع ہوئی، مونٹریل کے ایک روزنامہ "گزٹ" نے میری تقریر کے بعض جملوں کو عنوان کا جزء بنا کر خبر شائع کی۔

اس کے دوسرے ہی دن یعنی ۳۰ نومبر کو یہ واقعہ پیش آیا، صبح کے ساڑھے دس بجے کا وقت تھا میں انسٹیٹوٹ میں اپنے کمرہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک پروفیسر اسمتھ آئے اور کہنے لگے کہ آج ابھی گیارہ بجے مجھے یونیورسٹی کی فیکلٹی آف تھیالوجی میں اسلام پر ایک لکچر دینا تھا، مگر میرا جی چاہتا ہے کہ یہ لکچر میری بجائے آپ دیں، انھوں نے اس کی معذرت بھی کی کہ وہ بالکل وقت کے وقت یہ فرمائش کر رہے ہیں، مگر میں نے اسے بخوشی قبول کرلیا، یونیورسٹی کی عمارت انسٹیٹوٹ کی عمارت سے ذرا فاصلہ پر ہے، پروفیسر اسمتھ اپنی کار میں مجھے فیکلٹی آف تھیالوجی لے گئے، کار سے اُتر کر ہم دونوں کلاس کے کمرہ میں پہونچے جو طلبا اور طالبات سے بھرا ہوا تھا۔ وہاں انھوں نے میرا تعارف کرایا اور پھر خود روانہ ہوگئے، اب گیارہ بجے میں نے لکچر شروع کیا۔ تو اس میں اتنی محویت ہوئی کہ گھنٹہ بج گیا، مگر مجھے خبر بھی نہیں ہوئی، پروفیسر اسمتھ جو مجھے لینے آئے تھے پہلے تو چار پانچ منٹ کلاس سے باہر میرا انتظار کرتے رہے، آخر کلاس رُوم کا دروازہ کھول میرے سامنے آکر کھڑے ہوگئے، میں نے انھیں دیکھتے ہی معذرت کے الفاظ کہے اور کلاس ختم کرکے باہر آگیا، اگلے ہفتہ اسی دن اور اسی گھنٹہ میں پھر پروفیسر اسمتھ کا لکچر ہونا تھا، مگر انھوں نے مجھ سے کہا کہ "آپ نے گذشتہ ہفتہ پورا گھنٹہ بلکہ اُس سے بھی کچھ زیادہ اپنے لکچر میں صرف کردیا اور کسی کو سوال کرنے کا موقع نہیں دیا۔ اس لئے کلاس کی درخواست ہے کہ آج پھر آپ کلاس میں جائیں اور بجائے لکچر دینے کے صرف سوالات کے جوابات دیں، میں اس پر آمادہ ہوگیا اور حسب سابق پروفیسر اسمتھ کار میں لے کر مجھے وہاں پہنچ گئے اس مرتبہ وہ خود بھی کلاس روم میں بیٹھے، اب سوالات یکے بعد دیگرے شروع ہوئے، میں جواب دیتا رہا، سوالات اس قسم کے تھے کہ اسلام میں تعددِ ازدواج کا حکم کیا ہے؟ اسلامی تصوّف کی حقیقت کیا ہے؟ قرآن اپنے آپ کو جو دوسری کتبِ الٰہیہ کا مصدق کہتا ہے اُس کا کیا مطلب ہے۔ وغیرہ وغیرہ، مگر جس نے

© rasailojaraid.com